قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین
کا اجمالی تجزیہ

از: ڈاکٹر اسرار احمدؒ
ترتیب وتدوین: سید برہان علی۔ حافظ محمد زاہد

سُورۃ مُحمَّد

سورۃ الاحزاب کے بعد (سورۃ سبا سے) مکی سورتوں کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ سورۃ الاحقاف پر مکمل ہوا۔ ان تیرہ مکی سورتوں کے بعد اب تین مدنی سورتیں (محمدؐ، الفتح، الحجرات) آ رہی ہیں۔ یہ تینوں سورتیں بلاتمہید شروع ہو جاتی ہیں، یعنی نہ تو ان کے آغاز میں حروفِ مقطعات ہیں اور نہ ہی کوئی اور تمہیدی کلمات یا مضامین۔ بالخصوص سورۃ محمد کا آغاز تو ایسے ہو رہا ہے جیسے اچانک گفتگو ہوتی ہے۔ فرمایا:

﴿اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَضَلَّ اَعْمَالَھُمْ ①﴾

’’وہ لوگ کہ جنہوں نے کفر کی روش اختیار کی اور اللہ کے راستے سے (خود بھی رُکے اور دوسروں کو بھی) روکا تو اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع کر دیا۔‘‘

یعنی اگر انہوں نے اس سے پہلے کوئی نیکیاں کی بھی تھیں تو حق کے آ جانے کے بعد اس کو رد کر دینے کی پاداش میں ان کی وہ نیکیاں بھی ضائع ہو گئیں۔ اگلی آیت میں اس کے مقابلہ میں اہلِ ایمان کا تذکرہ فرمایا گیا:

﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّھُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّھِمْ ۙ کَفَّرَ عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ وَاَصْلَحَ بَالَھُمْ ②﴾

’’اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور ایمان لائے اس شے پر جو محمد (ﷺ) پر نازل ہوئی، اور وہ ان کے رب کی طرف سے برحق ہے، اللہ تعالیٰ اُن سے اُن کی تمام برائیاں دور کر دے گا اور ان کے تمام معاملات کو صحیح کر دے گا۔‘‘

آیت ۴ میں ایک اہم مضمون آیا ہے، اس کا تقابل سورۃ الانفال کی آیت ۶۷ سے کرنا ہوگا۔ یہ ایک اہم علمی مسئلہ ہے، اس لیے اس پر غور وخوض کی ضرورت ہے۔ غزوۂ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنے کا جو فیصلہ ہوا تھا، سورۃ الانفال میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے اُس پر ناپسندیدگی کا اظہار ہوا تھا۔ یعنی کفر کی کمر توڑے بغیر اگر ان

قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا تو یہ دوبارہ کفر کی طرف سے طاقت بن کر حملہ آور ہوں گے۔ جبکہ یہاں واضح کیا جا رہا ہے کہ ہاں جب اسلام کو فیصلہ کن فتح حاصل ہو جائے اور کفر کی طاقت کو کچل دیا جائے تو پھر ان کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑا جا سکتا ہے۔ فرمایا:

''پھر جب تم کافروں سے بھڑ جاؤ تو ان کی گردنیں اُڑا دو۔ یہاں تک کہ جب ان کو خوب قتل کر چکو تو (جو زندہ پکڑے جائیں ان کو) مضبوطی سے قید کر لو۔ پھر یا تو احسان کر کے چھوڑ دو یا کچھ مال لے کر' یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار رکھ دے (یعنی دشمن میں جنگ کی طاقت نہ رہے اور لڑائی موقوف ہو جائے)۔''

آیت ۷ میں فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۷﴾

''اے اہل ایمان! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔''

نصرتِ خداوندی کے ضمن میں قاعدہ یہی ہے کہ جو لوگ اللہ کے دین کے لیے جِدّ و جُہد کرتے ہیں' جس کو اللہ تعالیٰ اپنی مدد سے تعبیر کرتا ہے' اللہ کی مدد اُن ہی کے شاملِ حال ہوتی ہے۔ اس کے برعکس جن کی دوستیاں اور وفاداریاں اللہ کے باغیوں کے ساتھ ہوں اور پھر وہ اللہ کی مدد بھی چاہیں تو اس سے زیادہ مضحکہ خیز بات تو کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔

آیت ۱۱ میں ایک اہم حقیقت واضح کر دی گئی:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ اَنَّ الْكٰفِرِیْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۱۱﴾

''یہ اس لیے ہے کہ اللہ کارساز اور مددگار ہے مؤمنین کا اور کافروں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔''

غزوۂ اُحد میں عارضی شکست کے بعد جب نبی کریم ﷺ مسلمانوں کو لے کر کوہِ اُحد پر چڑھ گئے تھے تو ابوسفیان' جو اُس وقت کفار کی فوج کا سپہ سالار تھے' نے نعرہ لگایا تھا: لَنَا عُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ۔ اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ سے کہلوایا: اَللّٰہُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ۔ یہ بعینہٖ اسی آیت کا مفہوم ہے۔

آیت ۱۵ میں اللہ تعالیٰ نے جنت اور دوزخ کی صفات کو بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ کیا دوزخ اور جنت والے برابر ہو سکتے ہیں؟

''جنت' جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے' اس کی صفت یہ ہے کہ اس میں پانی کی نہریں ہیں جو بو نہیں کرے گا' اور دودھ کی نہریں ہیں جس کا ذائقہ نہیں بدلے گا' اور شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لیے (سراسر) لذّت ہے' اور شہد مصفّا کی نہریں ہیں (جو حلاوت ہی حلاوت ہے)۔ اور (وہاں) ان کے لیے ہر قسم کے میوے ہیں اور بخشش ہے ان کے رب کی طرف سے۔ (کیا یہ پرہیزگار) ان کی طرح (ہو سکتے ہیں) جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور جن کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی انتڑیوں کو کاٹ ڈالے گا؟''

تیسرے رکوع میں منافقین کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ جب کوئی محکم سورۃ نازل ہوتی ہے اور اس میں قتال کا ذکر ہوتا ہے تو تم دیکھتے ہو اُن لوگوں کو جن کے دلوں میں روگ (نفاق) ہے کہ وہ تمہاری طرف ایسے دیکھتے ہیں جیسے ان پر موت کی غشی طاری ہو۔ موت کے خوف اور دہشت کی وجہ سے اُن کے چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی ہوتی ہیں۔ پس ہلاکت ہے ایسے لوگوں کے لیے۔ (آیت ۲۰)

اگلی آیت میں اہلِ ایمان سے کہا جا رہا ہے کہ اطاعت کرو اور قولِ معروف اختیار کرو' پھر جب معاملہ طے ہو جائے (یعنی جنگ کا فیصلہ ہو جائے) تو پھر اگر وہ اللہ تعالیٰ سے کیے گئے عہد کو پورا کریں تو یقیناً اللہ تعالیٰ اُن کو خیر عطا فرمائے گا۔ (آیت ۲۱)

اسی سورۃ میں قرآن پر غور و فکر کرنے کے حوالے سے ایک عظیم آیت آئی ہے کہ قرآن کے ہوتے ہوئے یہ لوگ جو حق کو نہیں مانتے اس کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں:

﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝۲۴﴾

''کیا یہ لوگ قرآن مجید پر تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں؟''

اس کے ساتھ ہی قرآن حکیم کے بارے میں منافقین کے طرزِ عمل کا ذکر فرمایا گیا:

''حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اُلٹے پاؤں پھر گئے بعد اس کے کہ ان پر ہدایت واضح ہو گئی ان کو شیطان نے فریب دیا ہے اور ان کی (آرزوؤں کی) رسیاں دراز کر دی ہیں۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے ان لوگوں سے کہا جنہوں نے اللہ کی نازل کردہ کتاب کو ناپسند کیا کہ بعض معاملات میں ہم آپ کی پیروی کریں گے' اور اللہ ان کی رازداری کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔ اس دن ان کا کیا حال ہوگا جب ملائکہ ان کی جانیں قبض کریں گے اور ان کے چہروں اور پیٹھوں پر ماریں گے۔'' (آیات ۲۵ تا ۲۷)

آیت ۳۱ میں مسلمانوں کو بتایا جا رہا ہے کہ ہم تمہیں لازماً آزمائیں گے' تمہارے تمام حالات کی جانچ پڑتال کر کے رہیں گے کہ کون ہیں تم میں جہاد کرنے والے اور صبر کرنے والے!

اس سورۃ کی آخری آیت (۳۸) میں انفاق فی سبیل اللہ کا تذکرہ ہے — سورۃ البقرۃ کے مضامین میں قتال کے ساتھ ساتھ انفاق پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے' اس لیے کہ جان اور مال دونوں اللہ کی راہ میں کھپانا ضروری ہیں۔ اس سورۃ میں بھی قتال کے بعد اب انفاق کا تذکرہ ہے۔ فرمایا:

''تم وہ لوگ ہو جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے بلائے جاتے ہو! تو تم میں سے بخل کرنے والے بھی ہیں۔ اور جو کوئی بخل کرتا ہے وہ اپنے آپ ہی سے بخل کرتا ہے۔ اور اللہ بے نیاز ہے اور تم محتاج ہو۔ اور اگر تم منہ پھیرو گے تو وہ تمہاری جگہ اور لوگوں کو لے آئے گا اور وہ تمہاری طرح کے نہیں ہوں گے۔''

چنانچہ یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ اگر تم نبی کے اُمتی ہونے کی حیثیت سے اپنے مشن سے روگردانی اور اپنے فرضِ منصبی سے پہلوتہی کرو گے تو اللہ تمہیں ہٹا کر اپنے دین کا جھنڈا کسی اور قوم کے ہاتھ میں تھما دے گا۔ **وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔**

سُورۃُ الفَتح

یہ سورۂ مبارکہ پوری کی پوری صلح حدیبیہ کے گرد گھومتی ہے۔ صلح حدیبیہ کو ''فتح مبین'' قرار دیتے ہوئے نبی اکرم ﷺ سے ارشاد فرمایا جا رہا ہے:

﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝۱ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ

عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝۲ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝۳﴾

''ہم نے آپ کو یہ فتح مبین عطا فرمائی ہے تا کہ اللہ آپ کی خطاؤں کو معاف فرما دے جو پہلے ہوئی ہیں یا بعد میں ہوں گی' اور آپ پر اپنی نعمتوں کا اتمام کر دے اور آپ کی سیدھی راہ کی جانب راہنمائی فرمائے۔ اور اللہ آپ کی زبردست مدد فرمائے۔''

یہاں ایک علمی سا مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ حضورﷺ کی وہ کون سی خطائیں ہیں جن کی طرف اس آیت میں اشارہ ہو رہا ہے۔ اس کا مفہوم یہ سمجھ میں آتا ہے کہ نبی کریمﷺ اقامت دین کی جدوجہد میں جو تدبیریں اختیار فرماتے تھے اُن میں حضورﷺ کے اپنے تدبّر' معاملہ فہمی' دور اندیشی اور منصوبہ بندی کو بڑا دخل حاصل تھا۔ ان معاملات میں بربنائے بشریت کہیں کوئی کمی رہ جانا قرینِ قیاس ہے۔ میں اس کا یہ مفہوم سمجھتا ہوں کہ اس گھمبیر جدّوجہد میں اگر کہیں حکمتِ عملی کے اعتبار سے (strategically) کوئی کمی رہ گئی ہو تو اس فتح مبین کے بعد اللہ تعالیٰ ایسی کمیوں کے اثرات دور فرما دے گا۔

آیت ۱۰ میں بیعتِ شجرہ (بیعتِ رضوان) کا ذکر ہے جو سیرۃ النبیﷺ کے حوالہ سے ایک نہایت اہم واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۱۰﴾

''جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں حقیقت میں اللہ سے بیعت کر رہے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ پھر جو کوئی عہد کو توڑے تو عہد توڑنے کا نقصان اسی کو ہے' اور جو کوئی اس بات کو جس کا اس نے اللہ سے عہد کیا ہے پورا کرے تو وہ اسے عنقریب اجرِعظیم دے گا۔''

یہاں حضور اکرمﷺ کے دست مبارک پر بیعت کرنے کو اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے بیعت قرار دے رہا ہے۔ یہ مضمون سورۃ التوبہ کی آیت ۱۱۱ کے ساتھ جڑ جاتا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۭ﴾ ''بے شک اللہ نے خرید لیے ہیں مؤمنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال بعوض جنت کے''۔ اصل میں تو خرید و فروخت اللہ اور بندے کے درمیان ہے' لیکن اللہ کے نمائندے کی حیثیت سے نبی کریمﷺ اس بیع کی تکمیل کر رہے ہیں۔ اسی لیے کہا جا رہا ہے کہ یہ جو آپ کے ہاتھ پر بیعت ہو رہی ہے یہ دراصل اللہ کے ساتھ بیعت ہو رہی ہے۔

تیسرے رکوع' آیت ۱۸ میں اسی بیعت کے حوالہ سے فرمایا گیا:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝۱۸﴾

''اللہ اُن مؤمنوں سے راضی ہو گیا جبکہ وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے' اور اللہ کے علم میں تھا جو کچھ کہ اُن کے دلوں میں تھا' تو اللہ نے اُن پر سکینت نازل فرمائی اور ایک فتح قریب اُن کو عطا فرمائی۔''

درحقیقت یہ معاملہ ایک مقدمہ بننے والا تھا فتح مکہ کے لیے' اور اس میں ایک بڑی حکمت ہے جو آیت

۲۴۔۲۵ میں بیان ہوئی ہے کہ اُس وقت اللہ نے فریقین کے ہاتھ کیوں روک دیے تھے اور یہ صلح کیوں ہوئی تھی؟ اُس کی ایک وجہ یہ تھی کہ مکہ میں ایسے اہلِ ایمان ضعفاء موجود تھے جو کسی وجہ سے ہجرت نہیں کر سکے تھے۔ اگر جنگ ہو جاتی تو گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جانے کے مصداق ممکن ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں وہ بھی کچلے جاتے۔ اس حکمت کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اور وہی تو ہے جس نے روک دیے اُن کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ اُن سے مکہ کی وادی میں اس کے بعد کہ اللہ تمہیں اُن پر فتح دے چکا تھا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تم کو روکا مسجد حرام سے اور ہدی کے جانوروں کو (بھی روکا) کہ وہ پہنچیں اپنے مقام پر۔ اگر نہ ہوتے وہ مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں جن کو تم نہیں جانتے تھے' ہو سکتا تھا کہ تم انہیں کچل ڈالتے اور لاعلمی میں ان کی طرف سے تمہیں بھی نقصان پہنچتا (تو سب قصہ طے کر دیا جاتا' لیکن ایسا نہیں کیا گیا) تاکہ اللہ داخل کرے اپنی رحمت میں جس کو چاہے۔ اگر (دونوں فریق) الگ الگ ہو جاتے تو جو ان میں کافر تھے ہم ان کو دکھ دینے والا عذاب دیتے۔'' (آیات ۲۴۔۲۵)

اس سورۂ مبارکہ کا آخری حصہ بہت اہم ہے۔ جیسا کہ سب کے علم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ سفر ایک خواب کی بنیاد پر کیا تھا کہ آپ عمرہ کر رہے ہیں' لیکن واپسی بغیر عمرہ ادا کیے ہوئی' جس کی وجہ سے کچھ لوگوں کے دلوں میں ایک بے چینی پیدا ہوئی' جس کا ازالہ کیا جا رہا ہے اور فرمایا جا رہا ہے:

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ۭ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿٢٧﴾﴾

''بے شک اللہ نے اپنے رسولؐ کو سچا (اور) حقیقت پر مبنی خواب دکھایا تھا۔ تم لازماً داخل ہو گے مسجد حرام میں' ان شاء اللہ' پورے امن کے ساتھ اور اپنے سروں کو منڈواتے ہوئے اور بال کترواتے ہوئے بغیر کسی خوف کے۔ اللہ اس بات کو جانتا تھا جسے تم نہیں جانتے تھے' پس اس نے اس (خواب کے پورا ہونے) سے پہلے یہ قریبی فتح دے دی۔''

اگلی آیت میں نبی کریم ﷺ کی بعثت کا مقصد بایں الفاظ بیان کیا جا رہا ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿٢٨﴾﴾

''وہی ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو الہدیٰ اور دینِ حق کے ساتھ تاکہ اس کو غالب کر دے کُل کے کُل دین پر۔ اور اللہ کافی ہے بطورِ گواہ۔''

اس کے بعد آخری آیت میں نبی کریم ﷺ اور آپؐ کی جماعت کے افراد کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''محمد (ﷺ) اللہ کے پیغمبر ہیں۔ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں سخت اور آپس میں رحم دل ہیں' تم ان کو رکوع اور سجود میں مشغول پاتے ہو' تلاش کرتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضا۔ ان کے چہروں پر نشان ہیں سجود کے اثر سے......''

سُورۃُ الحُجُرات

یہ عظیم سورۃ اجتماعیاتِ انسانی کے ذیل میں عام سماجی و معاشرتی معاملات سے بلند تر سطح پر نہ صرف قومی و ملّی امور سے بحث کرتی ہے اور یہ بتاتی ہے کہ ملّتِ اسلامیہ کی تاسیس اور تشکیل کن بنیادوں پر ہوتی ہے اور اس میں اتحاد و اتفاق اور یک جہتی و ہم رنگی کیسے برقرار رکھی جا سکتی ہے' بلکہ سیاست و ریاست کے متعلق امور سے بھی بحث کرتی ہے کہ اسلامی ریاست کس بنیاد پر قائم ہوتی ہے' اس کا دستورِ اساسی کیا ہے' اس کی شہریت کیسے حاصل ہوتی ہے اور اس کا دنیا کے دوسرے معاشروں یا اس کی دوسری ریاستوں سے تعلق کن بنیادوں پر استوار ہو گا۔

اس سورۃ کو بغرض تفہیم تین حصوں میں منقسم سمجھنا چاہیے: پہلا حصہ مسلمانوں کی حیاتِ اجتماعی کے 'اصل الاصول' یعنی اسلامی ریاست کے دستورِ اساسی اور ملّتِ اسلامیہ کی شیرازہ بندی کے اصل قوام یعنی ''مرکزِ ملت'' سے بحث کرتا ہے —— دوسرا حصہ ان احکامات پر مشتمل ہے جن پر عمل پیرا ہونے سے ملّتِ اسلامیہ کے افراد اور گروہوں اور جماعتوں کے مابین رشتۂ محبت والفت کے کمزور ہونے کے امکانات کم ہو جاتے ہیں اور اختلاف وانتشار اور فتنہ وفساد کو بڑھنے سے روکا جا سکتا ہے—— تیسرا حصہ دو انتہائی اہم مباحث پر مشتمل ہے: پہلی بحث انسان کی عزت وشرف کے معیار سے متعلق ہے' جبکہ دوسری اہم بحث اسلام اور ایمان کے مابین فرق وامتیاز کی وضاحت سے متعلق ہے۔

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے غیر مبہم طور پر یہ واضح فرما دیا کہ اسلامی معاشرہ اور اسلامی ریاست ''مادر پدر آزاد'' نہیں ہو گی بلکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے تابع ہو گی۔ آیت کے آخر میں اس اطاعت کی اصل روح کی جانب بھی اشارہ کر دیا گیا ہے کہ وہ تقویٰ ہے۔ فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ①﴾

''اے ایمان والو! مت آگے بڑھو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ یقیناً اللہ سب کچھ سننے والا' سب کچھ جاننے والا ہے۔''

آگے آیت ۲ تا ۸ (سوائے آیت ۶ کے) میں مسلمانوں کی ہیئت اجتماعی کی ''اصل ثانی'' کو واضح کیا گیا جس کے گرد مسلمانوں کی حیاتِ ملی کی اصل شیرازہ بندی ہوتی ہے' یعنی رسول اللہ ﷺ کا ادب' محبت اور تعظیم وتوقیر۔ چنانچہ فرمایا:

''اے ایمان والو! مت بلند کرو اپنی آوازوں کو نبیؐ کی آواز پر اور مت گفتگو کرو انؐ سے بلند آوازی کے ساتھ جیسے تم باہم ایک دوسرے سے گفتگو کر لیتے ہو' مبادا تمہارے تمام اعمال رائیگاں ہو جائیں اور تمہیں اس کا شعور تک نہ ہو۔ یقیناً وہ لوگ جو اپنی آوازوں کو اللہ کے رسول (ﷺ) کے سامنے پست رکھتے ہیں' وہی ہیں کہ جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے جانچ لیا ہے۔ ان کے لیے بخشش بھی ہے اور بہت بڑا اجر بھی۔ بلاشبہ وہ لوگ جو (اے نبی ﷺ) آپ کو پکارتے ہیں حجروں کے باہر سے' ان میں اکثر ناسمجھ

ہیں۔ اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ خود ان کے پاس تشریف لاتے تو یہ ان کے لیے کہیں بہتر تھا۔ اور اللہ بخشنے والا' رحم فرمانے والا ہے۔...... اور جان رکھو کہ تمہارے مابین اللہ کے رسول (ﷺ) موجود ہیں۔ اگر وہ تمہارا کہنا اکثر معاملات میں ماننے لگیں تو تم خود مشکل میں پڑ جاؤ گے' لیکن اللہ نے تو ایمان کو تمہارے نزدیک بہت محبوب بنا دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں کھبا دیا ہے' اور تمہارے نزدیک بہت ناپسندیدہ بنا دیا ہے کفر کو بھی اور نافرمانی کو بھی اور معصیت کو بھی۔ یہی ہیں وہ لوگ جو اصل میں کامیاب ہونے والے ہیں۔ یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور مظہر ہے اس کی نعمت کا۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا' کمالِ حکمت والا ہے۔'' (آیات ۲ تا ۸)

دوسرے حصے سے متعلق احکام کو مزید دو عنوانات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ اہم تر احکام جو وسیع پیمانہ پر گروہوں کے مابین تصادم سے بحث کرتے ہیں اور دوسرے وہ بظاہر چھوٹے لیکن حقیقتاً نہایت بنیادی احکام جو خاص انفرادی سطح پر نفرت وعداوت کا سدباب کرتے ہیں۔ مقدم الذکر احکام دو ہیں: افواہوں کی روک تھام اور نزاع کے واقع ہو جانے کی صورت میں صحیح طرزِ عمل۔

آیت ۶ میں افواہوں کی روک تھام کے ضمن میں یہ حکم دیا گیا کہ کسی کے خلاف اقدام کرنے سے پہلے خبر کی تحقیق کر لیا کرو۔ فرمایا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ۝۶ ﴾

''اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی اہم خبر لے کر آئے تو چھان بین کر لیا کرو' مبادا تم نادانی میں کسی قوم کے خلاف اقدام کر بیٹھو اور پھر تمہیں اپنے کیے پر پچھتانا پڑے۔''

اس کے ضمن میں یہ اصول یاد رکھیں کہ اس صورتحال میں سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ خبر لانے والا کون ہے! اگر وہ کوئی انتہائی معتبر شخصیت ہو تو کسی تحقیق' کسی تبیین اور کسی تفتیش کی ضرورت نہیں ہے' لیکن اگر خبر لانے والا کوئی ایسا شخص ہے کہ جو احکامِ الٰہیہ پر اس طور سے کاربند نہیں ہے جس طرح ایک مؤمن صادق کو ہونا چاہیے تو ایسے شخص کی لائی ہوئی خبر پر کوئی اقدام کرنا بہت خطرناک ہو سکتا ہے' لہٰذا اس کی تحقیق' تبیین اور تفتیش ضروری ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ جو کچھ سنے اسے آگے بیان کر دے۔''

آیات ۹' ۱۰ بھی مسلمانوں کی شیرازہ بندی سے متعلق ہیں کہ اگر احتیاط کے باوجود مسلمانوں کے دو گروہوں کے مابین کوئی نزاع برپا ہو جائے' کوئی جھگڑا ہو جائے' کسی نوع کا اختلاف ہو جائے اور یہ اس شدت کو پہنچ جائے کہ وہ باہم ایک دوسرے سے لڑ پڑیں تو ایک مسلم معاشرے کا رویہ یہ ہونا چاہیے کہ ''Nip the evil in the bud'' کے مصداق ان میں فوری صلح کرا دے:

''اور اگر اہلِ ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے مابین صلح کرا دو' اور اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرنے پر مصر رہے تو اس سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کے سامنے جھک جائے۔ پھر اگر وہ اللہ کے حکم کو تسلیم کر لے تو پھر صلح کرا دو ان دونوں کے مابین انصاف کے ساتھ' اور عدل

سے کام لو' یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ یقیناً تمام اہلِ ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں' پس تم اپنے بھائیوں کے مابین صلح کرا دیا کرو' اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو (اس کی نافرمانی سے بچو) تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

مؤخر الذکر احکام چھ نواہی پر مشتمل ہیں۔ آیات ۱۱'۱۲ میں ان چھ معاشرتی برائیوں کا ذکر کرکے ان سے باز رہنے کی تاکید کی گئی ہے جن کے باعث بالعموم دو افراد یا گروہوں کے مابین رشتۂ محبت و الفت کمزور پڑ جاتا ہے اور اس کی جگہ نفرت و عداوت کے بیج بوئے جاتے ہیں۔ ان چھ معاشرتی برائیوں کا تذکرہ بایں الفاظ کیا گیا:

(۱) ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ ......﴾ ''اے ایمان والو! تم میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ کا مذاق نہ اڑائے.....'' (۲) ﴿وَلَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ﴾ ''اور ایک دوسرے پر عیب نہ لگاؤ''۔ (۳) ﴿وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ﴾ ''اور ایک دوسرے کے برے نام نہ ڈالو''۔ (آیت ۱۱) (۴) ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ ؗ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾ ''اے ایمان والو! سوئے ظن سے بچتے رہو' بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں''۔ (۵) ﴿وَّلَا تَجَسَّسُوْا﴾ ''اور کسی کا راز نہ تلاش کرو''۔ (۶) ﴿وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا﴾ ''اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو'' (آیت ۱۲)

تیسرے حصے کے دو مباحث میں سے پہلی بحث انسان کی عزت و شرف کے معیار سے متعلق ہے' جس کے ذیل میں واضح کر دیا گیا کہ انسان کی عزت و ذلت یا شرافت و رذالت کا معیار نہ کنبہ ہے نہ قبیلہ' نہ خاندان ہے نہ قوم' نہ رنگ ہے نہ نسل' نہ ملک ہے نہ وطن' نہ دولت ہے نہ ثروت' نہ شکل ہے نہ صورت' نہ حیثیت ہے نہ وجاہت' نہ پیشہ ہے نہ صرفہ' اور نہ مقام ہے نہ مرتبہ' بلکہ صرف تقویٰ ہے۔ اس لیے کہ پوری نوعِ انسانی ایک ہی خدا کی مخلوق بھی ہے اور ایک ہی جوڑے (آدم وحوا) کی اولاد بھی۔ چنانچہ آیت ۱۳ میں ارشاد ہوا:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ﴿۱۳﴾﴾

''اے لوگو! ہم نے تمہیں پیدا کیا ایک مرد اور ایک عورت سے اور تمہیں قوموں اور قبیلوں کی شکل میں تقسیم کیا تاکہ باہم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ یقیناً اللہ کے ہاں تم میں سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ خدا ترس اور پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ (سب کچھ) جاننے والا (اور) باخبر ہے۔''

پوری سورت میں یہ ایک ہی آیت ہے جو یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ سے شروع ہوئی ہے جبکہ پانچ دفعہ ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' آیا ہے' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرہ نہ نسلی معاشرہ ہے نہ لسانی' یہ حقیقتاً ایمان اور دستوراً و قانوناً اسلام کا اقرار کرنے والوں کا معاشرہ ہے۔

تیسرے حصے کی دوسری اہم بحث اسلام اور ایمان کے مابین فرق و تمیز سے متعلق ہے۔ واضح رہے کہ قرآن حکیم میں ایمان و اسلام اور مؤمن و مسلم کی اصطلاحات اکثر و بیشتر ہم معنی اور مترادف الفاظ کی حیثیت سے استعمال ہوئی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں' لیکن اس سورۂ مبارکہ میں ایمان اور

اسلام کو ایک دوسرے کے مقابل لایا گیا ہے اور ''ایمان'' کی نفیٔ کامل کے علی الرغم ''اسلام'' کا اثبات کیا گیا ہے۔ اس کا اصل مقصد اس اہم اور بنیادی حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ اسلامی معاشرہ میں شمولیت اور اسلامی ریاست کی شہریت کی بنیاد ایمان پر نہیں بلکہ اسلام پر ہے' اس لیے کہ ایمان ایک باطنی حقیقت ہے جو کسی قانونی بحث و تفتیش اور ناپ تول کا موضوع نہیں بن سکتی۔ لہٰذا مجبوری ہے کہ دنیا میں بین الانسانی معاملات کو صرف خارجی رویے کی بنیاد پر استوار کیا جائے' جس میں ایمان کا زیادہ سے زیادہ صرف ''اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ'' والا پہلو شامل ہو سکتا ہے۔

آیت ۱۴ میں ایمان و اسلام کا فرق واضح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾﴾

''یہ بدو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے۔ (اے نبی ﷺ) ان سے کہہ دیجیے کہ تم ہرگز ایمان نہیں لائے ہو' بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں (یعنی ہم نے اطاعت قبول کر لی ہے) جبکہ ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ تاہم اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے رہو گے تو اللہ تمہارے اعمال (کے اجر و ثواب) میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔ یقیناً اللہ بخشنے والا' رحم فرمانے والا ہے۔''

اس بحث سے اس عظیم حقیقت کی جانب بھی رہنمائی ہوگئی کہ انسان کی ایک ایسی حالت بھی ممکن ہے کہ اُس کے دل میں نہ تو مثبت اور ایجابی طور پر ایمان ہی محقق ہو نہ منفی و سلبی طور پر نفاق' بلکہ ایک خلا کی سی کیفیت ہو' لیکن اس کے عمل میں اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت موجود ہو۔ ایسی حالت میں اس قاعدہ وکلیہ کی رو سے کہ ''بغیر ایمان انسان کا کوئی عمل بارگاہِ خداوندی میں مقبول نہیں'' ایسے شخص کی اطاعت قبول نہ کی جاتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم کے ساتھ دو اسمائے حسنیٰ غفور اور رحیم استعمال کر کے اس اطاعت کو بھی سندِ قبولیت عطا فرما دی۔

آیت ۱۵ میں ''حقیقی ایمان'' کی ایک جامع و مانع تعریف بیان کرتے ہوئے واضح کر دیا گیا کہ فی الحقیقت ایمان نام ہے اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایسے پختہ یقین کا جس میں شکوک و شبہات کے کانٹے نہ چبھے رہ گئے ہوں اور جس کا اولین اور نمایاں ترین عملی مظہر جہاد فی سبیل اللہ ہے' یعنی یہ کہ انسان ہدایتِ آسمانی کی نشر و اشاعت' حق کی شہادت اور اللہ کے دین کی تبلیغ اور اس کے غلبہ و اظہار کے لیے جان و مال سے کوشش کرے اور اس جدّ و جہد میں اپنا تن مَن دھن سب قربان کر دے۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا